Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 03, **Issue** 01, January-June 2024, **PP**: 119-133
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

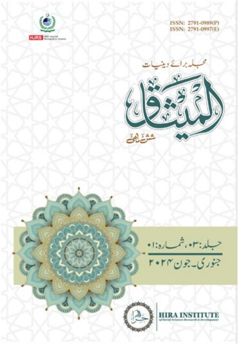

تعلیمی استعماریت کے برصغیر کے نظامِ تعلیم پر اثرات کا تنقیدی جائزہ

A Critical Analysis of Educational Imperialism on the Educational System of the Indian Subcontinent

1. Dr. Muhammad Muslim muslimryk@gmail.com	*Assistant Professor, Government Khawja Farid Graduate College, Rahim Yar Khan.*
2. Syed Hafiz Daniyal Ahmad shahdaniyal65@gmail.com	*PhD Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.*

How to Cite: Dr. Muhammad Muslim and Syed Hafiz Daniyal Ahmad. 2024: "A Critical Analysis of Educational Imperialism on the Educational System of the Indian Subcontinent". *Al-Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 3 (01):119-133.

Article History:

Received:	**Accepted**:	**Published**:
25-02-2024	25-04-2024	18-05-2024

Copyright: **©The Authors**

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

تعلیمی استعماریت کے برصغیر کے نظامِ تعلیم پر اثرات کا تنقیدی جائزہ

A Critical Analysis of Educational Imperialism on the Educational System of the Indian Subcontinent

1. **Dr. Muhammad Muslim**
   Assistant Professor, Government Khawja Farid Graduate College, Rahim Yar Khan.
   muslimryk@gmail.com

2. **Syed Hafiz Daniyal Ahmad**
   PhD Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.
   shahdaniyal65@gmail.com

Abstract:

The imperial educational system launched by the British Government and European Christian missionaries had long-lasting effects on the Indian Subcontinent both in positive and negative ways. On the one hand ,it was glamorised by attractive jobs, authority and the development of natural sciences, on the other hand, it damaged indigenous beliefs, ethics and moral values. This imperial educational system promoted a materialist approach that changed the concept that obtaining knowledge is a religious obligation and it is beyond the material needs. So, mostly higher knowledge was not used to earn material things that kept their sanctity. The imperial educational system changed the core ethical values of our educational system which ended in radical changes in society. It promoted rote learning and damaged the deep learning ability of students. Students were trained to regurgitate information rather than engage critically with it. Our literature changed and some texts began to preach atheistic or Christian beliefs, impacting cultural narratives, thus damaging our social integrity. The switch to English as the medium of instruction disrupted students' comprehension and damaged the creativity of students. Indigenous educational systems were neglected, leading to a loss of cultural heritage. The system prioritised exam scores over critical thinking and practical application of knowledge. The imperial educational system perpetuated social class divisions. Lower-income families and marginalised castes were excluded from elite institutions, often compelled to attend missionary schools where they lost their belief system. Traditional Indian systems of education and knowledge were neglected or even denigrated, leading to a loss of cultural heritage and intellectual traditions.

Keywords: *Educational Imperialism, Indigenous Education, Ethics, Missionary Schools.*

تمہید

برصغیر سمیت تمام اسلامی دنیا سلطنتِ عثمانیہ کے کمزور ہونے کے بعد مغربی قوتوں کی استعماریت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ بہ ظاہر یہ استعماریت سیاسی تھی لیکن اس کے ساتھ معاشی، معاشرتی، مذہبی استعماریت بھی تھی۔ اس میں تعلیمی استعماریت سب سے خطرناک تھی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت اکبر الہ آبادی نے فرمایا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی [1]

اسی طرح علامہ اقبال نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اسی طرح علامہ اقبال ایک اور مقام پر نوحہ کناں ہیں:

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی [2]

استعماریت نے مسلمانوں کو دیوار سے لگانے کی بھرپور کوشش کی۔ یہاں کئی قسم کے ردِ عمل پیدا ہوئے۔ ایک سر سید احمد خان کا مکتبہ فکر تھا، جس نے مغرب کے تعلیمی نظام کو اپنانے کا مشورہ دیا اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کو برطانوی سامراج سے تعاون پر آمادہ کیا۔ دوسری طرف دیوبند جیسی تحریکیں اٹھیں، جن کا مطمحِ نظر اپنے روایتی تعلیمی نظام کا تحفظ تھا، تاکہ سیاسی استعمار کم از کم علمی استعمار میں نہ ڈھل سکے۔ اس لیے ذہنی غلامی سے تحفظ کے لیے اپنا الگ تعلیمی نظام چلانے کی تحریک اٹھائی۔ تیسرا طبقہ خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر کاربند رہا کہ انگریز کے استعماری تعلیمی نظام میں سے فائدہ مند چیزیں لی جائیں اور غیر مفید چیزوں کو چھوڑ دیا جائے، تاکہ ایک طرف اپنی تہذیب و ثقافت کا تحفظ ہو اور دوسری طرف ترقی یافتہ اقوام کی صفوں میں شامل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ چناں چہ ندوۃ العلماء اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے تجربات اسی غرض سے کیے گئے۔

تعلیمی استعماریت برصغیر میں کئی صورتوں میں سامنے آئی۔ ایک صورت تو مشنری اداروں کی صورت میں تھی جہاں پہلا مقصد تو عیسائیت کی تعلیم دینا تھا، چوں کہ مسلمان ایسے اداروں کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کرتے تھے تو ان کا دوسرا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اگر وہ عیسائیت قبول نہیں بھی کرتے تو عیسائی تہذیب کو قبول کرلیں اور اس طرح پختہ مسلمان نہ رہیں گے۔ حتیٰ کہ مسلمان کے لیے عملی مسلمان رہنا بھی ایک طعنہ بن گیا اور اس کے لیے ترقی کے راستے مسدود کر دیے گئے۔ اس دور کے سب سے بہترین ترجمان حضرت اکبر الٰہ آبادی ہیں، جنھوں نے ایک قطعہ میں اس حقیقت کو طشت از بام کیا ہے، جب اس سے دورِ چرخ نے مسلمان ہونے کے بارے میں دریافت کیا تو اقرار میں پوشیدہ مصائب اور انکار میں پوشیدہ اللہ کی عذاب کے قہر سے ڈرنے کی وجہ سے یہ جواب دیا:

بالآخر کہہ دیا میں نے کہ گو مسلم تو ہے بندہ
لیکن مولوی ہرگز نہیں ہے خانساماں ہے [3]

کہ مسلمان کس خوف سے دوچار تھے ایک طرف مادی ترقی تھی تو دوسری طرف ایمانی رہ زَنی تھی، ان حالات میں ایمان و تہذیب کو بچانے کے ساتھ کیسے دنیا میں اپنا حصہ لیا جائے؟ یہ اہم سوال بن چکا تھا۔

دوسری قسم کے ادارے وہ تھے جو خالصتاً سیکولر اسلوب پر قائم کیے گئے۔ یہ صرف ادارے نہیں تھے، بل کہ Lord Macaulay کی سفارشات [4] کے بعد در حقیقت ایک نیا نظامِ تعلیم تھا، جس میں اگرچہ کچھ عناصر مقامی تہذیب کے بھی شامل تھے، لیکن بنیادی ساخت مادیت پر مبنی نظام تعلیم تھا، جس میں اگرچہ مسلمان اساتذہ نے اپنی تہذیب و ثقافت کو سمونے کی کوشش کی، لیکن رفتہ رفتہ یہ تعلیمی استعماریت اپنے پنجے مضبوط کرتی گئی اور تہذیب و ثقافت اور اخلاق و کردار اور ایمان و ایقان میں نقب زنی نسل در

نسل گہری ہوتی گئی۔

آزاد اقوام اپنے نظامِ تعلیم کو اسی نظریے اور فکر پر مرتب کرتی ہیں جسے وہ اپنی تہذیب کی اساس گردانتی ہے کیوں کہ نظامِ تعلیم ہی نئی نسلوں کو کسی بلند نصب العین کی طرف پرواز کرنے کے لیے فکر وحکمت کے بال وپَر دیتا ہے۔ قومی زندگی میں نظامِ تعلیم کی وہی حیثیت ہے جو فرد کے لیے اس کے دماغ کی ہوتی ہے، غالب قوم مغلوب قوم پر صرف سیاسی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتی بلکہ اس کے عقیدہ وتہذیب کو بھی اپنے شکنجے میں کس لیتی ہے حتیٰ کہ محکوم کا ذہن اس قدر اس سے متاثر ہو جاتا ہے کہ وہ خود اس مغلوبیت پر راضی ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے لیے صحیح سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے یہ اصول بتایا ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم پر غلبہ پا لیتی ہے تو اس کے تشبہ واقتدا میں سے مغلوب قوم ایک بڑا حصہ حاصل کرتی ہے۔[5]

غالب قوم اپنی فتح اور برتری کے اِستحکام کے لیے اس بات میں کوشاں رہتی ہے کہ مفتوح تہذیب اور قوم کے دل ودماغ ہمیشہ مغلوب رہیں، وہ اس کی فکر اور تہذیب کو برتر سمجھیں، اس کے رَسیا بن جائیں اور اس کی پیروی کرنے لگیں اور اپنی فکر کو حقیر اور ناقص سمجھیں کر اس پر عمل کی خواہش وکوشش نہ کریں، جو ماضی میں ان کی پہچان رہی۔ اسی لیے اسلامی تاریخ میں سے چن چن کر منفی واقعات جمع کرکے ان کو پھیلایا گیا، تاکہ اپنے شاندار ماضی پر فخر کرنے کی بجائے، ان منتخب واقعات پر شرمندہ ہوں اور تہذیبِ مغرب کو ایک بلند اور برتر تہذیب تسلیم کرتے ہوئے اس کو اپنالیں۔ یہ تعلیمی استعماریت سائنس اور ٹیکنالوجی کے خوب صورت نام سے مزید خود کو مضبوط کرتے ہوئے، اس وقت گلوبل تہذیب وثقافت میں ڈھل رہی ہے۔ یہی کچھ مغربی اقوام نے مسلم ممالک کے ساتھ کیا، جس کی وجہ سے مسلم نوجوان نے انگریزی تعلیم اور مشنری اداروں کے ساتھ مغربی تہذیب کو اپنانے میں ہی کامیابی اور ترقی کا راز سمجھا اور وہ مغربی فکر، فلسفہ، تہذیب وثقافت سے بُری طرح مرعوب ہوا اور اس طرح ارتقا اور تخلیق کے دروازے اپنے اوپر بند کر لیے اور مغربی تقلید کو اپنا شعار بنالیا۔ علامہ اقبالؒ نے ارمغانِ حجاز میں اس صورتِ حال کو اپنی نظم میں "آواز غیب" میں اس طرح بیان کیا ہے:

آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے
کھو گیا کس طرح ترا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
تو ظاہر وباطِن کی خِلافت کا سزوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام وخس وخاشاک [6]

بدقسمتی سے پاکستان پر جو نظام تعلیم مسلط ہے، وہ ہمارے نظریے، قومی وجود اور تہذیبی تشخص سے ہرگز میل نہیں کھاتا ہے، لارڈ میکالے کے اس نظام تعلیم نے ہمارا نصاب بدلا، ذریعہ تعلیم بدلا، تعلیمی اداروں کا ماحول بدلا اور تربیت کا انداز بدلا اور ایسے مسلمان پیدا کرنے شروع کیے کہ جو نام کے تو مسلمان ہوں، مگر فکری وعملی لحاظ سے مغربی تہذیب کے رَسیا اور پیروکار ہوں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان سے مشنری اداروں کا آغاز ہوا[7] اور 90 سالوں میں کم وبیش 17 مشنری ادارے وجود میں آئے۔[8]

یہ بات قطعی درست ہے کہ نوجوان قوم کا مستقبل ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ نئی نسل کی تربیت اپنی فکر اور اپنے زاویے کے مطابق کی جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنی نسل کی تعمیر وتربیت کے لیے لارڈ میکالے کے نصاب یا مشنری اداروں کی بہ

جائے اسلامی نظامِ تعلیم کو اختیار کریں۔ چناں چہ مولانا مودودی نے اسلامی کلچر، عقائد، نظریہ حیات اور نصب العین کے لیے قوم کو تیار کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اپنی نئی نسل کو اسی مقصد کے لیے تیار کرنا ضروری قرار دیا ہے، بل کہ وہ یہاں تک کہتے ہیں اگر نئی نسل کو ان اصولوں کے مطابق نہ تیار کیا گیا تو وہ کیسے ان بنیادوں کو آگے چل کر ترقی دیں گے؟ نیز وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں، جس نے اپنی نسلوں کو بے رنگ تعلیم دینے کی کوشش کی ہو یا دوسروں کے نظامِ تعلیم کی نقالی سے ترقی کی ہو یا دوسروں سے مستعار نظامِ تعلیم میں اپنی تہذیب وثقافت کو شامل کیے بغیر اپنی نسلوں میں اپنی تہذیب کو محفوظ رکھ سکی ہو۔[9]

مذہب بے زار استعماری ادارے

استعماری کالجز اور سکولز میں پڑھنے والے بچوں کو دین کا تعارف صرف رسم رواج کو پورے کرنے کے لیے ہی دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اسلامی حکم سمجھ میں نہ آئے تو اسے قدامت پرستی اور ضعیف الاعتقادی کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کو چودہ سو سال قدیم قرار دے کر نا قابلِ عمل قرار دے دیا جاتا ہے۔ ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے دین بے زاری کو ضروری قرار دے دیا جاتا ہے۔ پروفیسر ثریا بتول لکھتی ہیں:

> یہ سیکولر نظامِ تعلیم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے دور کرنے والا، ملحد اور مذہب بے زار بنانے والا ہے۔ دوسری طرف یہ اہلِ مغرب کا دم بھرنے والا ہے۔ اس نے ملی غیرت، قومی حمیت مومنانہ شجاعت وبے باکی کو ختم کرکے خوئے غلامی کو مستحکم کیا۔[10]

موجودہ صورت حال میں غیر ملکی یونی ورسٹیز کو اجازت ہے کہ اپنی برانچز پاکستان میں کھولیں اور جو چاہیں پڑھائیں جب کہ پاکستانی یونی ورسٹیز کو بھی اجازت ہے کہ غیر ملکی یونی ورسٹیز کا نصاب اپنے ہاں پڑھائیں۔ ڈاکٹر عبد الرؤف ظفرؒ لکھتے ہیں:

> ایک مسلمان معاشرے اور اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہبی و تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت ہوتی ہے، تاکہ وہ اپنے عقائد کے مطابق اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کر سکیں، لیکن اس امر کا تصور بھی نہیں کیا سکتا کہ ان تعلیمی اداروں میں مسلمان بچے تعلیم وتربیت حاصل کریں، لیکن ہمارے مسلمان بڑے فخر اور خوشی سے عیسائی مشنریوں کے قائم کیتھڈرل سکولوں میں بچے داخل کرواتے ہیں۔[11]

یہی وجہ ہے کہ تعلیم عالمی غلبہ کے حصول کے لیے جدید تہذیبِ مغرب کا بڑا ہدف ہے۔ مسلمانوں میں ماڈل مغربی تعلیمی اداروں کا قیام اور نصابِ تعلیم کی تشکیلِ نو اور پھر ذریعہ تعلیم کے لیے مغربی زبانوں کا استعمال، دراصل استعماری قوتوں کی تقویت اور مثالی معاشرے کی توڑ پھوڑ کا زبردست حربہ ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

پاکستان کا نظام تعلیم ایک کھلی چراہ گاہ کی مانند ہے۔ دنیا بھر کی تنظیمیں وطن عزیز میں اپنے اپنے تعلیمی ادارے کھول رہے ہیں، اپنے نصاب پڑھا رہی ہیں، اپنے سرٹیفکیٹس دے رہی ہیں اور ہمارے صاحب اقتدار ترقی پسندی کے نام پر ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں، بل کہ اس سے بڑھ کر ان کے اتباع میں سرکاری سکولز کے نصاب بدل رہے ہیں۔ ان نادان اربابِ اختیار سے تو کافرانہ معاشروں میں رہنے والی مسلم اقلیتیں ہی زیادہ بابصیرت ہیں کہ وہ اپنی نسلوں کی حفاظت کا انتظام کر رہی ہیں۔ جب کہ ہمارے ارباب اختیار وطنِ عزیز کی نئی نسل کو فکری اور اخلاقی سطح پر برباد کرنے پر تلے ہیں۔ سرکاری سکولوں کے طلبہ کو اگر دینی تشخص اور پاکستانی شناخت نہ دی گئی تو وہ کرائے کے ایسے مزدور ہوں گے، جنہیں جو چاہے خرید لے اور جس کام میں چاہے لگا دے۔[12]

دینِ اسلام فلاح وکامرانی کا تصور آخرت کی کامیابی کا دیتا ہے۔ عقیدہ آخرت مسلمانوں کو یہ درس دیتا ہے کہ دنیا میں تمام

اعمال کی جزا و سزا انہیں سب معاملات کا حساب آخرت میں ہو گا۔ لہٰذا دنیا کے تعیشات کے حصول کے لیے دوڑ نہ لگائی جائے، بل کہ مسابقت نیکی کے کاموں میں کی جائے۔ مغربی تہذیب اور مشنری اداروں میں ہر فرد کا ہدف و نصب العین دنیا کی بہتری ہے۔ اس لیے مغربی نظامِ تعلیم سے فارغ التحصیل بھی اسی دوڑ میں شامل ہو گئے۔ راتوں رات امیر بننے کا شوق ہر صحیح و غلط کام کرنے پر اکساتا ہے۔ جب دنیا میں عزت کا معیار دولت ٹھہرا تو ہر شخص ضرور یہ کوشش کرے گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ حاصل کرے، خواہ اس کے لیے کوئی بھی ناجائز حربہ استعمال کرنا پڑے۔

لارڈ میکالے کے دیے ہوئے نظام کے برگ و بار پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی نے واضح لکھا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے اذہان میں شک و تردد کی آبیاری، نئی نسل کو ملی روایات اور تہذیبی ورثہ سے کاٹنا اور معاشرتی روایات کی تباہی کے ساتھ ساتھ جدید مغربی فلسفہ کے حملوں سے ذہنی اطمینان اور قلبی سکون برباد ہو گیا ہے، حتیٰ کہ ہماری ذہین و فعال نئی نسل عقیدہ و عمل دونوں کے اعتبار سے نیم مسلمان یا ملحد بنتی جا رہی ہے۔ اس لیے عہدِ حاضر کا مسلمان اس بحری جہاز کی مانند ہے، جو ایک طویل سفر پر گامزن ہو، لیکن اس کے لنگر ٹوٹ چکے ہوں، ہمت جوان ہونے کے باوجود منزل کا پتا بھول چکے ہوں۔ یہ امت بے مثال عالمی کردار ادا کرنے کی بہ جائے اپنی اندرونی کمزوری، ذہنی غلامی، فکری انتشار کی وجہ سے گھبراہٹ اور سراسیمگی کا شکار ہے۔[13]

آج یہ صورت حال ہے کہ دشمن ہمارے ہی نوجوانوں کو گم راہ کر کے اپنے ہم وطنوں کے خلاف اکسا رہا ہے۔ سیاسی میدان میں استعماری قوتوں کو جب نکلنا پڑا تو انہوں نے اقتدار بالعموم ایسے لوگوں کے سپرد کیا، جو ان کے قائم کردہ تعلیمی اداروں کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے اور مغربی تہذیب کے شائق و رَسیا تھے، اس طرح ہم کالونیل دور سے نکل کر آزاد ہونے کی بہ جائے نیو کالونیل دور میں داخل ہو گئے، پہلے اہلِ مغرب افواج لا کر اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر ہمارے وسائل لوٹتے تھے، اب ہماری ہی نئی نسل کو اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ وہ خود ہی تمام وسائل ان استعماری قوتوں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔ چناں چہ انہوں نے مسلم معاشرہ میں مغربی فکر و تہذیب کو رائج کرنے میں دل چسپی لی اور قومی زندگی خصوصاً نظامِ تعلیم اور سیاسی نظامِ تعلیم کو اسلامی تقاضوں کے مطابق کرنے کی کوشش تک نہ کی، بل کہ اُلٹا حیلوں اور بہانوں سے اس کی مخالفت اور مزاحمت کی اور اس کے عَلم برداروں پر ظلم و ستم ڈھائے اور انہیں ناکام بنانے کے لیے مغربی قوتوں کی آشیرباد سے ریاستی قوت استعمال کی۔ انہوں نے مغربی ایجنڈوں کو آگے بڑھاتے ہوئے نظام تعلیم، ذرائع ابلاغ اور دوسرے سارے شعبہ ہائے حیات میں مغرب پرست پالیسیز اور اصولوں کو نافذ کیا۔ چناں چہ پروفیسر ثریا بتول رقم طراز ہیں:

> اب آغا خان امتحانی بورڈ کو آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کر کے جس طرح پاکستان کے نظامِ تعلیم کے ذریعہ غلام نسلیں پروان چڑھانے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے، یہ حق تو دنیا کے کم زور ترین ممالک صومالیہ، ہیٹی اور نیپال جیسے لوگ بھی دوسروں کو دینے میں تیار نہ تھے۔ افسوس اس طرح ملک کا مستقبل، نسلِ نو کا اثاثہ طشتری میں رکھ کر مغربی استعمار کو تحفتاً پیش کر دیا گیا۔[14]

دو صدیوں تک اہل مغرب اسی ایجنڈا پر رہے ہیں، مگر زوالِ روس کے بعد ان سرگرمیوں میں بہت ہی تیزی آگئی ہے اور پھر 11 ستمبر 2001ء کے حادثے کے بعد آنے والی تبدیلیاں تو برق رفتار ہو چکی ہیں اوریا مقبول جان اپنے مضمون "تعلیم کے نام پر بربادی کے کھیل میں" لکھتے ہیں:

1999ء میں برلن میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ جس کا موضوع "مغربی اور اسلامی معاشروں کے تعلقات"

تھا۔ اس کانفرنس میں ایک اعلامیہ جاری کیا گیا۔ جس کے مقاصد درج ذیل تھے:

- عالمی اشتراک
- عالمی اتحاد
- مکمل عالمگیریت

اس اعلامیہ میں کہا گیا کہ ہمیں پرائمری اور سیکنڈری سطح پر ایسی تعلیم دینا ہوگی، جو آسٹریلیا کے شہر سڈنی سے لے کر امریکہ کے شہر ہوائی تک ایک طرح کے ہیروز، ایک طرح کی اَقدار اور ایک جیسی سوچ کو جنم دے۔ اس کام کے لیے مغربی عطیات پر چلنے والی این جی اوز کو سامنے لایا گیا۔ چند یک ساں عنوانات کو نصاب کا موضوع بنایا گیا۔ انسانی حقوق، حقوقِ نسواں، بچوں کے حقوق، خواتین پر تشدد، گراس روٹ جمہوریت اور روشن خیال اعتدال پسندی جیسے نعرے لگائے گئے۔[15]

اس طرح پاکستان کا مسلم معاشرہ جسے چودہ سو سال قبل انسانی حقوق کا اسلام کی طرف سے "حجۃ الوداع" والا شاندار چارٹر مل چکا تھا۔ اب اسے 1995ء کی "بیجنگ کانفرنس" نے حقوقِ نسواں دیئے،[16] چلڈرن رائٹس کمیشن نے بچوں کے حقوق، ایمنسٹی انٹر نیشنل نے پہلی بار انسانوں کو انسان سمجھا[17] اور یہ سب کچھ اس نصاب میں سمو دیا گیا، جو چودہ سو سال پہلے سے اللہ و رسول ﷺ کا یہ پیغام سنتی اور اس عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ چناں چہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مسلمانو! تم پر کسی انسان کی جان، مال عزت آبرو، آج کے دن اور اس مہینے اور اس میدان سے زیادہ مقدس و محترم ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں، ماسوائے تقوی کے۔[18]

اہلِ مغرب کا خصوصی ہدف مسلمان طلبہ اور مسلمان عورتیں ہیں، وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تمام تر قوت ان کی اخلاقی و روحانی قدریں ہیں۔ اگر ان کی نوجوان نسل آوارگی اور بے حیائی کا شکار ہو جائے تو ان کو کنٹرول کرنا آسان ہو گا۔ علامہ محمد اسد نے اپنی انگریزی کی تصنیف Islam at the Crossroads میں مسلمانوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وہ مغربی سماجی اقدار کی اندھی تقلید نہ کریں اور اس کے بجائے اپنے اسلامی ورثہ کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں، جس نے کسی زمانہ میں کثیر الجہتی اور تاریخی طور پر شان دار مسلم تہذیب کو جنم دیا تھا۔ لہذا مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی نقالی سے گریز کرنا چاہیے، کیوں کہ مسلم تہذیب اور مغربی تہذیب میں کوئی روحانی مطابقت نہیں۔[19]

یہ صورتِ حال کس قدر الم ناک اور تکلیف دہ ہے کہ محمد اسد نے پون صدی قبل جن خدشات کا اظہار کیا تھا، وہ اب خوف ناک اور مجسم شکل میں سامنے آرہے ہیں۔ آج مغربی تعلیم اور مشنری اداروں کے فروغ کے باعث نوجوان نسل اپنی شناخت کے بحران سے دوچار ہے، مزید لکھتے ہیں:

مغربی تہذیب اپنے تمام تر شیطانی ذرائع سے اس پر حملہ آور ہو چکی ہے اور اسلامی معاشرہ کے ستون ایک ایک کر کے کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔[20]

استعماری اداروں کے مسلمانوں پر اثرات

اس موضوع پر گفت گو کرنے سے پہلے لارڈ میکالے کی اس تقریر کو ذکر کرنا ضروری ہے، جو اس نے پارلیمنٹ میں 2 فروری 1835ء کو کی۔ جس سے یہ بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشنریز اور عیسائیوں کا ہدف مسلمانوں میں بے راہ روی اور اپنے عقائد کو

فروغ دینا تھا۔ چناں چہ وہ کہتا ہے کہ میں نے ہندوستان کے طول وعرض کا سفر کیا، میں نے وہاں کوئی بھکاری نہیں دیکھا اور نہ کوئی چور، وہاں کی اخلاقی اقدار بہت ہی بلند ہیں، برصغیر کے افراد ذہانت کے اعلیٰ معیار پر ہیں۔ ہم شاید وہاں زیادہ عرصہ اپنی حکومت جاری نہ رکھ سکیں۔ الا یہ کہ ہم ان کی ریڑھ کی ہڈی کو نہ توڑ دیں، میرا مطلب ان کی روحانی اور ثقافتی اقدار ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہمیں ان کا قدیم اور پرانا نظامِ تعلیم اور ان کی ثقافت کو تبدیل کر دینا چاہیے اور ہندوستانیوں کے ذہن میں یہ بٹھا دینا چاہیے کہ مغرب اور انگریزی سماج ان سے عظیم تر ہے۔ یوں وہ اپنے آباؤاجداد کے کلچر اور اپنی ذاتی شناخت کو بھول کر ہماری منشا کے مطابق ایک مفتوح قوم کی صورت اختیار کر جائیں گے۔[21]

استعماری اسکولز میں بچوں کو اولیول اور اے لیول کروانا امیر لوگوں کا کام ہے اور مسلم معاشروں میں یہ رجحان دن بہ دن بلا سوچے سمجھے تیزی اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس تعلیم سے نوجوان اور بچوں کی شخصیت منقسم ہو جاتی ہے اور اپنے گھر اور معاشرے کی اَقدار و روایات کو اپنے نصاب کی اقدار و روایات سے بہت مختلف محسوس کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کا ذہن کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے صلاحیتیں کم ہو جاتی ہیں، نتیجتاً وہ ذہین اور قابل ہونے کے باوجود ملک وملت کے لیے مفید ثابت نہیں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

> پینٹ کوٹ، شرٹ اور وی کی پٹی مسلم طلباء وطالبات کا لباس ہے اور اسکول والے اپنے نظم وضبط کی خاطر اس کو لازمی قرار دے دیتے ہیں، جو بچے متعین یونیفارم میں نہ ہوں، انہیں جرمانہ کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں اور پاکستانیوں کو بچپن سے مغربی معاشرت اختیار کرنے کا پابند کیا جائے، تاکہ وہ ساری زندگی اس پر عامل رہیں۔ گلے میں وی کی پٹی لٹکانے کا مطلب یہ ہے کہ اے بچی! تم نے ساری زندگی سر ننگا رکھنا ہے، دوپٹہ لٹکانے کی چیز ہے، ڈھانپنے کی نہیں۔[22]

کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے ناگریز ہے کہ وہ نظامِ تعلیم اپنی فکر اور نظریے کے مطابق ترتیب دیں۔ انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا تھا تو نظامِ تعلیم خود کار اور خود کفیل بھی تھا اور اس کی بنیاد خوفِ خدا اور آخرت کی جواب دہی پر رکھی گئی تھی۔ اساتذہ اور طلبہ دینی جذبے سے سرشار ہو کر تعلیم وتعلم میں مصروف مشغول رہتے تھے۔ عوام وخواص کی تفریق نہیں تھی۔ یک ساں نظامِ تعلیم رائج تھا۔ انگریزوں اور مشنریز کا رائج کردہ نظامِ تعلیم ہمارے نظریات اور ضروریات کے مطابق نہ تھا۔ اس لیے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہمیں اپنی ضروریات وفکر کے مطابق نظامِ تعلیم رائج کرنا چاہیے تھا، پروفیسر سید محمد سلیم لکھتے ہیں:

> مقصدِ حیات اور مقصدِ تعلیم متعین ہو جانے کے بعد سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ طالب علموں کے اذہان کی آبیاری کی جائے، ان کے اندر فکر وفہم، شعور وادراک کا ملکہ اور استعداد پیدا کی جائے، ان کو عقل وخرد کا استعمال سکھایا جائے، ان کے اندر تحقیق وتنقید کا ملکہ پیدا کیا جائے، ہر چیز کو بغیر سوچے سمجھے وہ آمنا وصدقنا نہ کہہ دیں، بل کہ وہ اس کو اپنی عقل اور علم کی کسوٹی پر رکھیں، اس کا صحیح اور غلط ہونا معلوم کریں، تنقید سے یہ معلوم کریں کہ کس قدر حصہ صحیح ہے، کس قدر باطل کی آمیزش ہے، کھلے دماغ اور کھلی آنکھوں سے تعلیم حاصل کریں۔[23]

یہ استعماری تعلیمی ادارے ایک خاص طریقے سے عوام الناس میں اپنا یہ روپ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کی بھلائی کے لئے تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔ اس میں ان کا کسی بھی طریقہ سے کوئی مفاد نہیں، لیکن حقیقت میں معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے، اس

سلسلہ میں مشنری ڈاکٹر جارج ای پوسٹ کا وہ بیان ہے، جس سے مشنریز اور عیسائیوں کے ارادے وعزائم واضح ہوتے ہیں:

یہ زندگی کی بقا کی لڑائی ہے جو ان (مسلم) پر ہم نے فتح حاصل کرنے کے لیے شروع کی ہے، ورنہ وہ ہم پر فتح پا لیں گے، ہم کو وسطی ایشیا جانا چاہیے، عرب جانا چاہیے اور ان لوگوں کو عیسائی بنانا چاہیے ورنہ وہ صحراؤں کو عبور کریں گے اور آندھی کی طرح پھریں گے اور ہماری عیسائیت کو ہڑپ کر جائیں اور اسے برباد کر دیں گے۔[24]

مسلمان لڑکا جب ان سکولز میں داخل ہوتا ہے تو اس کا عقیدہ درست ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی وحدانیت اور نبی اللہ ﷺ کی رسالت پر یقین رکھتا ہے، اللہ تعالی کے ہاں دین صرف اسلام ہے، اس کے سوا تمام ادیان باطل ہیں۔ ان میں کوئی بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں، لیکن جب بچہ مشنری سکول میں داخل ہوتا ہے تو لادینیت اس کے اندر حلول کر جاتی ہے۔ امام یوسف نبہانی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:

بچہ جب عیسائی سکول میں داخل ہوتا ہے تو وہ عیسائی بچوں کے ساتھ کلیسا جانے اور ان کی طرح عبادت کرنے قبول کر لینے کے سبب بظاہر عیسائی ہو جاتا ہے، پھر وہ ان کے دین کے احکام سیکھتا ہے تو اس کے اساتذہ اسے اسی دین کے مطابق تربیت دیتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان ویسا ہی بنتا ہے، جیسی اس کی تربیت ہو اور بچپن کی تعلیم پتھر میں بنے ہوئے نقش کی طرح اَن مِٹ ہو جاتی ہے۔ یوں وہ بچہ ابھی چھوٹا ہے۔ اس کے دل میں پوری طرح دینِ اسلام کے احکام راسخ نہیں ہوئے ہیں اور دینِ اسلام سے وہ بہت کم ہی واقف ہوا ہوتا ہے تو ایک مدت تک وہ اس حالت میں رہے گا۔ شیطان اس کے مددگار معلمین اور اس کے بھائی گمراہ طلبہ اس کے دل میں دینِ نصاری کے صحیح ہونے کا احتمال پیدا کر دیں گے، جسے دیکھنے اور جس کی پیروی کرنے میں وہ ابھی مشغول ہے اور جب بچہ کے لیے یہ صورت حال پیدا ہو جائے اور اس کے دل میں دینِ نصاری احتمال در آئے تو ایمان اس کے دل سے نکل جائے گا اور وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے کافر ہو جائیگا۔[25]

برصغیر میں استعماری تعلیم کا طریقہ کار

استعماری مقاصد ہی استحصالِ وسائل پر بنیاد رکھتے ہیں اس لیے برصغیر میں استعماری تعلیمی اداروں کا روزِ اول سے یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کے وسائلِ حیات کا استحصال کرے اور عرب و عجم میں ان کو برباد کر دیں۔ پادریوں کے وعظوں نے نت نئ صورتیں نکالیں۔ مختلف مذاہب کے تکرار سے متعلق کتب کی طباعت واشاعت ہونے لگی۔ یہ کتب جب تقسیم ہوئیں تو واضح ہوا کہ ان میں دیگر مذاہب کے بزرگوں کی تنقیص کا عنصر نمایاں تھا۔ برصغیر ہند وپاک کتھا اور وعظ کی بابت دستور یہ تھا کہ اپنی بات، اپنے مذہب کی تلقین و تبلیغ اپنی عبادت گاہ میں بیٹھ کر کرتے تھے کہ جس کا جی چاہے، دل راغب ہو وہ وہیں آکر مستفید ہو۔ اس کے برعکس پادریوں نے اس روش سے ہٹ کر چلنا شروع کر دیا۔ وہ دیگر مذاہب کے مجمع عام میں جاکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ ان کے میلوں میں جاکر بیان کرتے تھے۔ بعض جگہوں پر یہ رواج چل پڑا تھا کہ پادری اپنے ساتھ کسی تھانے کا چپڑاسی لے لیتے تھے۔ یہ پادری اپنے وعظ میں انجیل پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بل کہ دیگر مذاہب کے بزرگوں کی توہین، ہتک اور تنقیص بھری باتیں کرتے تھے۔ جس سے سامعین رنج والم کی کیفیت سے دوچار ہوتے تھے۔

مسلمان ملازمین کو عیسائیت کی تعلیم پر مجبور کیا جاتا تھا۔ مالکان اپنے ماتحتوں کو ہدایات جاری کرتے تھے کہ ہمارے بنگلے پر عیسائی پادری کی تقریر سنیں۔ حتی کہ یہ رِیت اتنی تقویت پکڑ چکی تھی کہ کسی شخص کو یہ یقین نہیں تھا کہ سرکار کے عمل دخل کے

باعث اپنایا اپنی اولاد کا مذہب و اعتقادات محفوظ رہیں گے بھی یا نہیں۔ چناں چہ سر سید احمد خان رقم طراز ہیں:

> 1855ء میں پادری ایڈمنڈ نے دارالامارات کلکتہ سے سرکاری ملازموں کے نام سرکلر بھیجا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہوگئی ہے، تار برقی سے سب کی جگہ ایک ہوگئی ہے، ریلوے سڑک سے سب آمد و رفت ایک ہوگئی ہے، مذہب بھی ایک چاہیے۔ اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ہو جاؤ۔[26]

چند نچ ذاتوں کے کچھ لوگوں کے عیسائی مذہب قبول کرنے کے علاوہ ان مشنریز کو مذہب کے معاملے میں اگرچہ زیادہ کامیابی نہیں مل سکی، لیکن تہذیبی اور ثقافتی نقب زنی خوب کرنے میں کامیاب ہوئے، چناں چہ وہ لارڈ میکالے کے مشن کے مطابق ایسی نسل تیار کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں، جو ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے مقامی ہے، لیکن استعماری تعلیم کے نتیجے میں ان کے دل و دماغ مقامی مذہب و روایات سے باغی اور مغربی تہذیب کے عملاً و فکراً دلدادہ ہیں۔

جب عیسائیوں اور مشنریز کی سرگرمیاں حد سے بڑھ گئیں اور عوام نے ان سرگرمیوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا تو ایک تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی نے 73 عیسائی مراکز کا دورہ کیا، 11360 افراد سے رابطے اور ملاقاتیں کیں، اس تحقیقاتی رپورٹ میں مشنریز ہندوستان کے باشندوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لیے یہ طریقہ کار اختیار کرتے تھے کہ اپنے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ عیسائی لڑکیوں سے شادی کرواتے ہیں اور دوسری سہولتیں دیتے ہیں۔ اُدھار دیتے ہیں اور ہسپتالوں میں مسیحی لٹریچر فراہم کرتے ہیں اور وہاں داخل شدہ مریضوں کے سامنے عیسائی عبادت کرتے ہیں۔ گھریلو معاملات میں دخل اندازی اور مقدمہ بازی میں مدد کرتے ہیں، چھوٹے بچوں اور عورتوں کا اغوا ان کا وطیرہ ہے، مزدوروں کی بھرتی عیسائی عقیدے کے پروپیگنڈا کے لیے کرتے ہیں۔[27]

استعماری تعلیمی ادارے اور بے راہ روی

استعماری ادروں کے طریقہ کار اور کاروائیوں پر اس رپورٹ کے اس اقتباس سے زیادہ بہتر تبصرہ شاید ہی کوئی اور ہو، کیوں کہ یہ عیسائیوں کے اپنے ہم عقیدہ اور ہم مذہب لوگوں کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں مشنری اداروں میں مسلم بچوں اور بچیوں کو عیسائیت کے فروغ کے لیے مواد پڑھایا جاتا ہے اور یہی تعلیم ان کی باقی زندگی میں سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ جب مسلمان طالب علم ان سکولز میں عیسائی مذہب کے احکام سیکھتا ہے تو عیسائیوں کی طرح وہ بھی انہیں غیر معقول، ناقابلِ قبول اور باہم متعارض خیال کرتا ہے اور جب وہ خود یا کوئی عیسائی طالب علم اس مذہب کے کسی ایک بھی حکم پر اعتراض کرتا ہے، حالاں کہ اس کے تمام احکام قابلِ اعتراض ہیں اور اس کے بارے میں اپنے استاذ سے سوال کرتا ہے، تو وہ اسے ڈانٹ پلا کر خاموش کروا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ دین عقل سے ماوراء ہے، کیوں کہ معلم کو بھی معلوم ہے کہ یہ حکم قابلِ اعتراض ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں اور اس نے بھی اپنے معلم سے یہی سنا تھا کہ دین عقل سے ماوراء ہے، تاکہ مذہب عیسائیت پر وراد ہونے والے اعتراضات کا سدِ باب ہو سکے، مگر اعتراضات کا یہ باب اتنا وسیع ہے کہ ان کو صحیح جواب دے کہ بھی بند نہیں کیا جاسکتا۔ امام یوسف نبہانی فرماتے ہیں:

> طالب علم جیسے جیسے دینِ نصاری کے احکام میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے، تو اس کے ساتھ ہی اس کا ذہن اس بات پر محمول ہو جاتا ہے کہ باقی اَدیان بھی مشکوک ہیں، پھر وہ دین کے مقابل میں مشنری مواد کو ترجیح دینا شروع کر دیتا ہے اور اس کی عملی زندگی میں دینی و شرعی تکالیف یعنی مامورات مثلاً نماز، روزہ اور باقی عبادات کا موجود نہ ہونا اور منہیات مثلاً زنا، چوری، سود اور نفسانی خواہشات کو پسند آنے والی اِسی طرح کی دوسری معصیتوں کا

موجود ہونا، اس کی نظر میں اس بے دینی کو پسندیدہ بنا دیتا ہے اور اس کے دل کو اس کی طرف راغب کرتا ہے، جیسا کہ اکثر اہلِ مغرب کا یہی حال ہے، اگرچہ وہ بظاہر عیسائی ہیں۔[28]

مشنری سکولز میں دین کی بابت جنم لینے والے شکوک وشبہات کے اسباب بچے کے دل میں رَفتہ رَفتہ داخل ہو جاتے ہیں اور اسکول میں قیام کے مہ وسال گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ یک جا ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں بعض سکولز کی لڑکیوں کے ساتھ مخصوص ہیں، جنہیں مغرب کے عیسائیوں نے خاص طور سے پروٹسٹنٹس نے اسلامی ممالک میں شروع کر رکھا ہے اور ہر طرح کے حیلے بہانے اور ذرائع سے مسلمان بچیوں کو ان میں کھینچ لاتے ہیں اور ان کے ساتھ بالخصوص غریب بچیوں کے ساتھ مختلف قسم کے احسانات کرتے ہیں، چناں چہ انہیں کپڑے وغیرہ فراہم کرتے ہیں ان کے لیے پیسے وغیرہ مہیا کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سکول لڑکیوں سے بھر گئے اور وہ لوگ ان کو اس مشنری ادارے میں عیسائی مذہب کی تلقین کرتے اور احکام سکھاتے ہیں اس لیے سکول کی مدت ختم ہو جانے کے بعد لڑکیاں وہاں سے عیسائی زندیق بن کر نکلتی ہیں کہ ان کا نہ کوئی دین ہوتا ہے اور نہ کوئی اسلامی احکامات کا علم، کیوں کہ سکول کے داخلے کے وقت وہ اتنی چھوٹی عمر میں تھیں کہ دین کے احکام سے انہیں واقفیت نہیں تھی، پھر سکول سے نکلنے کے بعد وہ اسی حالت میں وہ زندگی گزارتی ہیں اور اسی نہج پر وہ اپنے بچوں کی تربیت کرتی ہیں۔[29]

پاکستان میں استعماری تعلیمی اداروں کے اثرات

فی الوقت دنیائے اسلام جس صورتِ حال سے دوچار ہے، وہ اس لحاظ سے انتہائی پیچیدہ اور سنگین نتائج پر مشتمل ہے کہ آج اسلامی تہذیب وثقافت کی مخالفت میں زبردست یلغار ہے، اس یلغار میں دنیائے اسلام صرف مادی اور انسانی نقصان سے ہی نہیں، بل کہ اپنی تہذیب وثقافت اور اعتقادات سے بھی دوری اختیار کرتا جا رہا ہے۔ مادی، اعتقادی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی لحاظ سے اسلامی اور مغربی تہذیب میں کشمکش جاری ہے، ایک طرف تو عیسائی اور مشنری ادارے مسلمان بچوں کو ان کی اسلامی تعلیمات وثقافت سے بے زار کر رہے ہیں تو دوسری طرف ثقافتی اور تہذیبی رنگارنگی وتنوع ختم کر کے ایک عالمی ثقافت کو پورے انسانی معاشرے پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ہی نہیں، بل کہ کسی بھی ملک کے باشندے اپنی ثقافت وتہذیب سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

جو اقوام مغربی کلچر اور مشنری اداروں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے میں عار محسوس نہیں کرتی تو دیکھتے ہی دیکھتے مغربی ثقافت وتہذیب اور ان کے عقائد کو مسلم معاشرہ میں فروغ ونشوونما ملتا چلا جاتا ہے۔ اب چوں کہ مسلمانوں نے اسی کلچر وتعلیم کو اپنانے میں پَس وپیش سے کام لیا ہے، اس لیے ان کی عدمِ رواداری کی مثالیں بارہا دنیا کے سامنے پیش آچکی ہیں ڈاکٹر اعجاز احمد لکھتے ہیں:

> تہذیبی جنگ میں مغرب نے اپنے ہر ادارے کو شامل کر دیا ہے، خواہ وہ مفکرین ہوں یا ان کے تھنک ٹینک ہوں یا وہ این جی اوز ہوں، جو دنیا بالخصوص مسلمانوں میں اس تہذیبی جنگ کو فروغ دے رہی ہیں، ان سب کا ایک ہی بنیادی خیال ہے کہ حقیقی مقابلہ مغربی تہذیب اور مسلم تہذیب کے درمیان ہے، مسلم امہ پر اہل مغرب کی اس تہذیبی وثقافتی یلغار کے پانچ اصولی پہلو ہیں:
>
> 1. معاشرتی یلغار
> 2. معاشی یلغار
> 3. سیاسی یلغار
> 4. مذہبی یلغار

5. علمی و فکری یلغار

دورِ حاضر میں آفاقی پروپیگنڈا تعلیمی نظام، مستشرقین کی تحقیق، وفود کی آمد اور ماہرین کے تقرر سے مسلمانوں کو ذہنی طور پر زیر کرنے کی سعی جاری ہے، کافی وقت سے مسلمانوں کے دین میں ترمیم کی کوششیں ہو رہی ہیں، ماڈرن ازم کے نظریہ کو بڑھاوا دے کر مسلم روایات و اقدار کی مضبوط عمارت کو منہدم کرنے کی کوشش بھی اسی مہم کا حصہ ہے۔[30]

صلیبی جنگوں میں یورپین ممالک کی ذلت آمیز ہزیمت کے بعد مغرب نے مشنریز کی شکل میں نیا صلیبی محاذ کھولا اور روز بہ روز یہ مشنری اور عیسائی حملے شدید سے شدید تر ہو گئے اور انہیں حملوں میں ایک حملہ مشنریز کا مسلم ممالک میں سکولز و کالجز کھولنا بھی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ہمیں جو نظامِ تعلیم ملا، وہ ہماری مذہبی اور ملی روایات سے متصادم تھا، اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ ایسا نظامِ تعلیم بنایا جائے، جو ہمارے فلسفہ حیات سے مربوط ہو اور ایسی تعلیمی پالیسیز مرتب کی جائیں جو درج ذیل مقاصد کے حامل ہوں:

- پاکستانی عوام میں اسلام سے وفاداری اور مسلم قومیت کے جذبے کو فروغ دیا جائے، تاکہ مختلف صوبوں کے باشندوں میں نظریاتی وحدت پیدا ہو۔
- طلبہ کے اندر یہ احساس جاگزیں کیا جائے کہ وہ مسلم اُمہ کے فرد اور پاکستانی قوم کے معمار ہیں، ان کے وجود کا مقصد دنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ کرنا اور احترامِ انسانیت کے جذبے کو فروغ دینا ہے۔
- قرآن و سنت کے مطابق پاکستانی طلبہ کے کردار واطوار کو ڈھالنا، جن کی وجہ سے اقوال وافعال میں فرق واقع نہ ہو۔
- ہر جماعت میں قرآن و سیرت کی تعلیم لازم قرار دی جائے، تاکہ اپنی اَساس سے رشتہ مزید مضبوط ہو اور مسلم اُمہ کی شناخت آب یاری پاسکے۔
- نوجوان میں تحصیلِ علم اور تحقیق کے حوالے سے دل چسپی پیدا کی جائے، تاکہ وہ تعلیم کو ایک مسلسل اور سعیِ پیہم کی صورت دے سکیں اور مستقبل میں خود کفیل ہو سکیں۔[31]

لیکن شومئ قسمت چوں کہ پاکستان میں تعلیمی پالیسیز کا ایسا کوئی اسٹرکچر موجود نہ تھا تو مجبوراً قیامِ پاکستان سے پہلے والا نظامِ تعلیم معمولی ترمیم و تبدیلی کے بعد رائج کر دیا گیا۔ مثال کے طور پر اسلامیات کو اس نصاب کا حصہ بنا دیا گیا اور اس اقدام کے بعد یہ تسلی کر لی گئی کہ اسلامی نظام تعلیم وجود پذیر ہو گیا۔ اسی طرح مطالعہ پاکستان کو اسی نصاب کا حصہ بنا کر یقین کر لیا گیا کہ ارضِ پاک پاکستان کے ملی و قومی مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نصاب میں تبدیلی بھی کی جاتی رہی، لیکن یک سر نصاب کی تبدیلی پر توجہ نہیں دی گئی، جسے مجبوراً بہ وقتِ آزادی نافذ کیا تھا، جو در حقیقت انگریز کا نصابِ تعلیم تھا، جسے اس نے سلطنتِ برطانیہ کی محکوم ریاست برصغیر پاک وہند کو چلانے کے لیے تعلیم یافتہ کلرک اور ملازمین کے حصول کے لیے ترتیب دیا تھا۔ یہ ہرگز وہ نصاب نہیں تھا، جو اسلام کے نام پر قائم ہونے والی نظریاتی مملکت کے مطلوبہ مقاصد کو پورا کرتا۔ جو ایک قوم اور ایک تہذیب کو فروغ دینے میں معاون ومدد ثابت ہوتا۔ اس حوالے سے پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

> میری نگاہ میں مغرب کا سب سے مؤثر حملہ جس میدان میں ہوا ہے، وہ تعلیم کا میدان ہے۔ یہاں حملے کی زَد میں فکر و نظر ایمان وایقان، آدابِ تہذیب و تمدن، غرض ہر وہ چیز ہے، جو ہماری شناخت ہے اور جس میں ہماری زندگی کی بقا کا راز ہے۔ برطانوی فوجوں کو سرزمین پاک وہند سے ایک دن رخصت ہونا پڑا، لیکن میکالے کے

نظامِ تعلیم نے جس نظام کو جنم اور نشوونما دی، اس کی گرفت آج بھی ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی پر قائم ہے اور ہم آزاد ہونے کے بعد بھی فی الحقیقت آزاد نہیں ہیں۔[32]

ارضِ پاک اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آئی اور مقصد تھا کہ اس میں اسلامی نظام حکومت نافذ ہو، لیکن یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ موجودہ نظامِ تعلیم تخلیق پاکستان کے بنیادی محرکات یعنی مسلم فکر و نظر اور معاشرتی عدل و انصاف سے باہم مربوط نسلِ نو تیار کرنے میں ناکام رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے 24 برسوں کے بعد ہی اسکا اکثریتی حصہ اس سے جدا ہو گیا اور جداگانہ مملکت کی حیثیت سے ابھرا اور باقی ماندہ حصہ تاحال ملی و قومی یک جہتی اور سماجی ترقی کے ناآسودہ خواب دیکھ رہا ہے۔

حالیہ نظامِ تعلیم نے پاکستان میں تحریکِ استشراق کے تعلیمی نظام میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، پاکستان بننے کے بعد ہر ایسی پالیسی جو اسلام کے موافق تھی، اسی تعلیمی نظام کے فارغُ التحصیل طلبہ کے لیے ناقابل قبول تھی۔ کیوں کہ مذہب سے لگاؤ اور اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی آفاقیت کا یقین جدید نظامِ تعلیم کا حصہ ہی نہیں ہے۔ 1961ء میں عائلی قوانین کا نفاذ ہوا۔ ان کے دَر پردہ بھی اسی تعلیمی نظام سے فیض یافتہ افراد تھے، جب حدود آرڈیننس 1979ء نافذ کیا گیا تو اس وقت واویلا کرنے والے افراد بھی مغربی تہذیب کے دل دادہ اور مغربی تعلیم یافتہ تھے اور یہ آرڈیننس ان کی راہ میں مزاحمت اور تفریقِ مرد و زن کے نظریے کا منبع لگتا تھا، یہی چیز ان کے لیے قابلِ قبول نہیں تھی، مولانا ابو الحسن ندویؒ لکھتے ہیں:

> اسلام اور مغربی تمدن جو دو زندگیوں کے متضاد نظریوں پر قائم ہے، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے، جب واقعی یہ ہو تو ہم کیسے اس بات کی توقع کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل کی مغربی بنیادوں پر ایسی تعلیم و تربیت مخالفِ اسلام اثرات سے کیسے پاک ہو سکتی ہے۔[33]

یہ تعلیمی نظام صرف خدا پرستی اور اخلاقی اقدار سے ہی عاری نہیں، بل کہ یہ نوجوان نسل میں ان بنیادی انسانی اخلاقیات کو بھی جنم نہیں دیتا، جن سے تہی دامن ہو کر کوئی قوم دنیا میں ترقی تو در کنار، رہ بھی سکے۔ جیسا کہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> اس نظامِ تعلیم کے زیرِ اثر تربیت پا کر جو نسلیں اٹھ رہی ہیں، وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو ماشاء اللہ پوری طرح سے آراستہ ہیں، مگر اِن خوبیوں کی چھینٹ تک اُن پر نہ پڑی، جو اسلام کا لبِ لباب ہیں، نہ فرض شناسی اور نہ مستعدی و جفاکشی، نہ صبر ثبات، نہ عزم استقلال، نہ باقاعدگی، وضابطگی اور نہ ضبطِ نفس۔ ان میں بدترین رشوت خور، خویش پرور، انصاف اور قانون کا خون کرنے والے، فرض سے جی چُرانے والے، ذاتی مفاد کو قربان کرنے والے ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں پر ہر جگہ آپ کو کام کرتے نظر آئیں گے۔[34]

تعلیم کا کماحقہ مقصد تو یہ تھا کہ بنی نوع آدم میں تمیز خیر و شر اور حق و باطل کی صلاحیت بیدار کر سکے۔ لوگوں کو ان کے مقصدِ حیات سے آشنا کرے، مگر بہ صدِ افسوس کہ جدید نظامِ تعلیم کے ذریعے حق و باطل کو پرکھنے کی کسوٹی اور معیار بھی اہلِ مغرب نے تبدیل کر دی ہے۔ انہی کے نقشِ پا کی اتباع میں ہمارے جدید تعلیم یافتہ افراد بھی چل پڑے ہیں۔ یہ لوگ مغرب کے وہ تمام اصول وضوابط یہاں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن سے ان کی نسلیں تنگ آچکی ہیں۔ وہ اپنا خاندانی نظام اسی طرزِ حیات کی بہ دولت تباہ کر بیٹھیں ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ صاحب اقتدار وہ افراد ہیں، جو مغربی تعلیمی نظام کے فیض یافتہ ہیں اور مغرب پسندی اور مرعوب ذہنیت کے حامل ہیں۔

حاصل بحث

قیامِ پاکستان کے بعد ضروری تھا کہ انگریزوں کے ساتھ ساتھ ان کے نافذ کردہ نظامِ تعلیم کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے اور پاکستان جس مقصد کے لیے اور جس نصب العین پر وجود میں آیا تھا، اس کی پاسبانی کی جاتی اور ایک ایسا نظامِ تعلیم تشکیل پاتا، جو عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی اصولوں پر بھی پورا اترتا، لیکن سوئے قسمت ذاتی اور غیروں کے اغراض ومقاصد ہمارے مقصد پر فوقیت لے گئے۔ اس کے نتیجے میں شعبہ تعلیم ہماری ترجیحات سے بہت دور چلا گیا اور اس کی حیثیت محض رسمی رہ گئی۔ حالاں کہ شعبہ تعلیم ہی وہ شعبہ ہے، جس کی بہ دولت قیامِ پاکستان کے مقاصد کو صحیح معنوں میں پائیدار بنیادوں پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مغربی نظامِ تعلیم اور مشنری اداروں نے لادینیت کے فروغ اور متشکک الذہن بنانے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ جسمانی قتل سے بھی زیادہ بھیانک ہے کہ وہ قومی اور ملی تشخص کو ہی ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اسی تعلیمی نظام ہی کی وجہ سے اباحیت ومادیت فروغ پا رہی ہے اور دن بہ دن دین بے زاری بڑھتی جا رہی ہے اور مسلمان اپنے مذہب سے بے گانہ ہوتے جا رہے ہیں، اسلامی شعائر سے نا آشنا ہونا دور کی بات ہے اب تو ان کے خلاف با قاعدہ مہم جوئی میں ہمارے نوجوان حصہ بن رہے ہیں، یہ فکری استعماریت کی ایسی نقب ہے جس نے ہم سے ہمارے بچے چھین لیے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ایسا نظامِ تعلیم متعارف کروائے جو اسلامی تہذیب، روایات، اقدار اور فکر پر مبنی ہو، تاکہ ہم استعماری فکر سے سیاسی طور پر ہی نہیں فکری طور پر بھی آزاد ہوں اور اپنی تہذیب وروایات اور مذہب پر فخر کریں اور ملی جذبہ کے ساتھ قوم کی سیاسی، فکری، معاشی اور معاشرتی رہنمائی کر سکیں۔

حوالہ جات وحواشی

1 اکبر الہ آبادی، **کلیاتِ اکبر**، (لاہور: خزینہ علم وادب، 2010ء)، ص 44۔

2 محمد اقبال، علامہ، **کلیاتِ اقبال: بالِ جبریل**، (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س ن)، ص 113۔

3 اکبر الہ آبادی، **کلیاتِ اکبر**، ص 135۔

4 Macaulay T. B., "**Macaulay's Minute on Education**" February 2 1835, https://home.iitk.ac.in/hcverma/Article/Macaulay-Minutes.pdf.

5 ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن محمد، المقدمۃ، (بیروت: دار الفکر، 1998ء)، 1/184۔

6 محمد اقبال، **کلیاتِ اقبال**، ص 146۔

7 Haydon John Bellenoit, **Missionary Education: Religion and Knowledge in India 1880-1915**. Modern Asian Studies, 41, No. 2 (2007):P. 369-94. http://dx.doi.org/10.1017/S0026749X05002143.

8 Steve Bishop, **Protestant Missionary Education in British India**, Evangelical Quarterly: An International Journal, 69 (3). http://dx.doi.org/10.1163/27725472-06903005.

9 مودودی، ابو الاعلیٰ، **تعلیمات**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، 1994ء)، ص 141۔

10 ثریا بتول، پروفیسر، **استاد ملت کا محافظ**، (لاہور: تنظیم اساتذہ پاکستان، 2006ء)، ص 47۔

11 عبد الروف ظفر، ڈاکٹر، **انگریزی ذریعہ تعلیم کے تہذیبی اثرات**، (ملتان: پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، 2015ء)، شمارہ 15، ص 154۔

12 خالد علوی، ڈاکٹر، **تعلیم**، (لاہور: مجلہ دعوت اکیڈمی، فروری 2005ء)، ص 63۔

13 مودودی، ابو الاعلیٰ، **قوموں کے عروج وزوال پر علمی تحقیقات کے اثرات**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن پرائیویٹ لمیٹڈ، 1992ء)، ص 21۔

14 ثریا بتول، **استاد ملت کا محافظ**، ص 13۔

15 اوریا مقبول جان، **تعلیم کے نام پر بربادی کا کھیل**، (مجلہ شعاع فکر لاہور: تنظیم اساتذہ پاکستان، 2004ء)، ص 23۔

[16] Irfan Jafar et a., **Khutbah Hajjatul Wida (Farewell Hajj) And Concept Of Basic Human Rights (Research Study In The Context Of UN Charter)**. Webology 18, no. 6 (2021): P. 3053-64.

[17] Masoomeh Saidi et al., **Rights of Children and Parents in the Holy Quran,** International Journal of Pediatrics, 2, no. 2 (2021): P. 103-13.

[18] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ترمذی، **السنن**،(ریاض:دارالسلام،2015ء)،کتاب الفتن عن رسول اللہﷺ،باب ماجاءدماءکم واموالکم علیکم حرام،رقم الحدیث:2159۔

[19] محمد اسد، **اسلام دوراہے پر**،(لاہور:البلاغ انسانیت دوست،2005ء)، ص77۔

[20] ایضاً، ص78۔

[21] Stephan Evans, **Macaulay's minute revisited: Colonial language policy in nineteenth-century India**, Journal of Multilingual and Multicultural Development, (2002), P. 260.

[22] محمد امین، ڈاکٹر، **اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش:ایک تجزیہ**،(لاہور: بیت الحکمہ،2006ء)، ص131۔

[23] سید محمد سلیم، پروفیسر، **مغربی نظام تعلیم:تنقید و تبصرہ**،(لاہور:ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان،1989ء)، ص67۔

[24] محمد نادر صدیقی، **پاکستان میں مسیحیت**،(لاہور: مسلم اکادمی،1979ء)، ص495۔

[25] النبہانی، یوسف بن اسماعیل، **ارشادالحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری**، مترجم: فیض اللہ برکاتی،(لاہور: دربار محل، 2014ء)، ص45۔

[26] سر سید احمد خان، **اسباب بغاوت ہند**،(کراچی: اردو اکیڈمی،1957ء)، ص124۔

[27] Report Enquiry Committee on Christian Missionary Activities Nagpur, Government of Madhia Pradesh (1956), Last Modified: 04.05.2023. https://indianculture.gov.in/reports-proceedings/report-christian-missionary-activities-enquiry-committee-madhya-pradesh-1956.

[28] النبہانی، **ارشادالحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری**، ص45۔

[29] ایضاً، ص56۔

[30] اعجاز احمد، ڈاکٹر، **پاکستان میں تحریک استشراق کے نفوذ اور انکے عوامل: تنقیدی مطالعہ**،(لاہور: القلم، جون2016ء)، ص303۔

[31] محمد فاروق، ڈاکٹر، **موجودہ نظامِ تعلیم میں اسلامی اقدار کے سمونے کے مراحل واقدامات**،(اسلام آباد: البصیرہ،2017ء)، جلد6، شمارہ2، ص75۔

[32] خورشید احمد، پروفیسر، **نظامِ تعلیم: نظریہ۔روایت۔مسائل**،(اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز،1996ء)، ص7۔

[33] ندوی، ابوالحسن علی میاں، **مغرب سے صاف صاف باتیں**،(کراچی: مجلس نشریات اسلام، س ن)، ص144۔

[34] مودودی، ابوالاعلیٰ، **تنقیحات**،(لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، س ن)، ص172۔